Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو جو کہتی ہے کہ باپ کے ہوتے ہُوئے اپنے آپ کوئی ٹھیک نہیں ہوتا، تو میں چلا جاتا ہوں، پھر شاید اپنے آپ ٹھیک ہو جائیں۔۔۔"

"تمُہیں تو بات اُلٹی طرف لے جانے کی عادت ہو گئی ہے۔" سکینہ بات کاٹ کر بولی۔ "میں کہتی ہوں باپ کا ہاتھ سر پر ہو تو لڑکے آپے میں رہتے ہیں۔"

اعجاز آہستہ آہستہ مسکرا رہا تھا۔ سکینہ بھی شرارت میں آ گئی۔

"پھر جداد میرے نام کب لگا رہے ہو؟"

"جائیداد تیری ہی ہے، سارا بندوبست تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔"

"زبانی کلامی کو میں نہیں مانتی۔ کاغذوں میں میرے نام کب کرو گے؟"

"دیکھ، جائیداد آج بھی تیری، آگے بھی تیری۔"

"آج میری ہے، آگے کا مجُھے پتا نہیں۔ تمُہارا کوئی اِعتبار ہے، کل کوئی پنچ ذات کی لا کر گھر میں ڈال لو۔"

اعجاز ہنس پڑا۔ "کسی بے گناہ کو لا کر تیرے ہاتھوں حرام کی موت مروانا ہے؟ تو اُس کا خون پی جائے گی۔"

"بات نہ ٹالو۔ کب رجسٹری کروا رہے ہو؟"

"کہا تو ہے، جائیداد ساری تیری ہاتھ کے نیچے ہے۔ آگے بھی رہے گی۔"

"آگے شاگے کا مجُھے پتا نہیں۔ زبان کر کے پِھر گئے ہو؟"

"آگے کا تجُھے کیسے پتا نہیں۔ تو چاچے کی اولاد ہے۔ چاچے کی لڑی میں عورتیں سو سو سال کی ہو کر کھاتی پیتی رہتی ہیں۔ تیری دادی پچانوے سال کی دوڑی پھرتی ہے۔ دو خصموں کی جائیداد کھا بیٹھی ہے۔"

"چل چل، میری دادی کو باتیں نہ کر،" سکینہ بے تکلفی سے بولی، "دادے تو بچارے بیماری کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔"

"ہاں، اُن کی بیماری تیری دادی تھی۔"

"ہائے، تجُھے تو شرم بھی نہیں آتی،" سکینہ اُٹھ کھڑی ہُوئی، اَور ایک دو بار مڑ کر اعجاز کو دیکھنے کے بعد گھر کے اندر چلی گئی، گویا خاموش نظروں سے اُسے بلا رہی ہو۔

اعجاز کا جی تو ہلکا ہو چکا تھا، مگر اُس کا دِل ابھی گھر کے اندر جانے کو نہ کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے ہی سکینہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہُوئی وہ باورچی خانے سے نِکل کر اپنے صحن والے کمرے میں چلا گیا۔ دیر تک وہ کرسی کی پُشت سے پُشت جمائے، اُس کے بازوؤں پہ اپنے بازو رکھے، بے حرکت بیٹھا اپنے سامنے میز کی خالی سطح کو دیکھتا رہا، گویا اپنے اجزاء کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ کئی پردے اُس کی آنکھوں کے سامنے سے اُتر گئے تھے، مگر ابھی مزید کئی مختلف اَور متضاد نوعیت کے بوجھل غلاف اُسے اپنی لپیٹ میں لِئے ہُوئے تھے۔ اِن پردوں کی تہوں میں چھپا، کبھی اِدھر اَور کبھی اُدھر سے جھانکتا ہوا، بدیع الزمان کا چہرہ تھا جو ہٹائے نہیں ہٹتا تھا اَور اعجاز کے تصور سے آنکھ مچولی کھیلے جا رہا تھا۔ اعجاز کی عجیب حالت تھی کہ وہ ابھی تک دِل میں یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ بدیع الزمان کے بارے میں اُس کے کیا جذبات تھے۔ کیا وہ ایک بے وقوف آدمی تھا جس نے اپنی حماقت سے صحت گنوا دی تھی؟ کیا وہ اناء پرست تھا جس نے سب کو اندھیرے میں رکھا اَور محض اِتفاق سے نام پیدا کر گیا تھا؟ یا کہ وہ حقیقی طور پہ ایک انصاف پرست اَور عظیم شخص تھا جس نے اپنے اصولوں کی خاطر قربانی دی تھی؟ اعجاز کی روح میں ایک کشمکش جاری تھی جس نے اُس کے اندر خواہش پیدا کی کہ کم از کم اِس ایک رات کو وہ اِسی طرح خاموشی کی حالت میں وہاں بیٹھا رہے اَور کوئی اُسے بلانے کو نہ آئے، حتیٰ کہ وہ آنکھ مچولی کھیلتا ہوا چہرہ اُس کے تصور سے خارج ہو جائے۔

قدرت نے اُس کی مدد کی اَور سکینہ اعجاز کے تصور میں گھر کے اندر بستر پہ لیٹی رہی۔ آخر اُس کے چالیس سالہ تھکے تھکائے بدن نے اُس کا ساتھ نہ دیا اَور وہ وہیں پہ سو گئی۔ ایک گھنٹہ کرسی پہ بیٹھے رہنے کے بعد اعجاز نے تھک کر پہلو بدلا اور خالی خالی نظروں سے کمرے میں دیکھنے لگا۔ پھرتی پھراتی ہُوئی اُس کی نظر نیچے گئی تو اُس نے دیکھا کہ دائیں ہاتھ والا سب سے نچلا دراز پوری طرح بند نہیں تھا، اَور اُس کی پتلی سی درز میں سے ایک سفید سی چیز جھانک رہی تھی۔ کئی لمحے تک وہ اُسی طرح کرسی پہ بیٹھا انجان سی نظروں سے اُس درز کے اندر دیکھتا رہا۔ دائیں اَور بائیں جانب کے چار درازوں میں اُس کے کاغذات، خطوط، قلم اَور پنسلیں، کاپیاں اَور سادہ کاغذ وغیرہ رکھے تھے۔ ضروری کاغذات جیسے زمینوں کی رجسٹریاں، کاروبار کا حساب کتاب اَور بنک کی چیک بکیں وہ گھر کے اندر اپنی تالہ لگی الماری میں رکھتا تھا۔ مگر اُس کے حافظے کے مطابق، میز کے دونوں نیچے والے دراز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالی رہا کرتے تھے۔ اس درز میں یہ کیا چیز ہو سکتی تھی اَور کب اور کیسے یہاں پہنچی تھی؟ ایک انوکھی بات یہ تھی کہ اِس شے کو دیکھنے کا تجسّس بھی اِس کے دل میں ناپید تھا۔ اُس وقت اعجاز کے لِئے اِس بات کی کوئی حقیقت نہ تھی کہ یہ کوئی کپڑا تھا یا کاغذ۔۔۔ یا اُس کی نظر اَور سوچ کو مصروف رکھنے کا محض ایک بہانہ تھا؟ اُس نے جوتے سے پیر نکال کر انگوٹھا اُس درز میں داخل کیا اَور اُس کے زور سے دراز ذرا سا باہر کو کھسکایا۔ اندر ایک بڑا سا پلاسٹک کا لفافہ رکھا تھا۔ اعجاز چند لمحوں تک اُس لفافے پہ نظریں جمائے ہُوئے بیٹھا اپنی یاد کے دھندلکے میں اُس کی شناخت کرتا رہا۔ اُس کا دماغ ماؤف تو نہ ہوا تھا، مگر وقتی طور پہ کسی حد تک شل ہو چکا تھا، اِسی طرح جیسے اُس کے بیشتر اعضاء صدمے کے اثر سے سر نکالنے کے بعد، ابھی تک نیم مفلوج حالت میں تھے۔ اُس نے دماغ پہ زور دینے کی کوشش سے چھٹکارا پانے کی خاطر پیر سے دھکیل کر دراز بند کر دیا۔ اعجاز کے خیال میں دراز اندر سے اٹکتا تھا، چنانچہ اُس کے پیر کا دباؤ کچھ زیادہ پڑا، جس سے دراز کھٹاک سے بند ہو گیا۔ جیسے ہی دراز کے بند ہونے کی آواز کمرے میں گونجی، گویا کسی نے اعجاز کی یاداشت کا بٹن دبا دیا ہو۔ وہ اجنبی آدمی، جس نے ایک ویران سی سڑک پہ لیجا کر یہ بھاری لفافہ اعجاز کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اَور خُود اپنی بائیسکل سمیت آبادی کی گلیوں میں گھس کر غائب ہو گیا تھا، وہ اَور اُس کا سارا منظر اعجاز کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس کے بدن کی تمام تر آلکس ہوا ہو گئی، جیسے کہ وہ کسی ایسی ہی شے کی تلاش میں ہو جو اُس کے دھیان کی گرانی کو کم کر کے اُس کے ذہن کو اِس موجودہ بکھیڑے سے نکال کر لے جائے۔ اُس نے جلدی سے جھک کر دراز کھولا اَور لفافے کے اندر سے کاغذوں کا پلندہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ یہ انگریزی میں ٹائپ شدہ تین چار سو کھلے کاغذوں کا بنڈل تھا جس پہ کسی قسم کی جلد نہ تھی۔ پہلے صفحے سے، بغیر کسی عنوان کے، عبارت کی اِبتدا ہوتی تھی، اَور پہلی سطر سے پتا چلتا تھا کہ کہیں بیچ سے ہی شُروع کر دی گئی تھی۔ صفحوں کے نمبر لگے تھے مگر فوٹو کاپی مدہم ہونے کی وجہ سے تقریباً مٹ چکے تھے۔ آخری صفحے کا حال بھی وہی تھا، کہ جملے کے درمیان میں ہی صفحہ ختم ہو جاتا تھا۔ پہلے اَور آخری صفحے کو دیکھنے کے بعد اعجاز نے پلندے کو بیچ بیچ سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ کاغذ بے جلد ہونے کے باوجود بے ترتیب نہ تھے اَور جتنے بھی موجود تھے وہ عبارت کے لحاظ سے ایک کے بعد ایک سلسلہ وار چلتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھے۔ اعجاز نے اُن کھلے کاغذوں کو چاروں طرف سے دبا اَور غلطا کر ایک دستے کی شکل میں تہہ کیا اَور سامنے رکھ کر پڑھنا شُروع کر دیا۔

اعجاز کو انگریزی بخوبی پڑھ لیتا تھا، مگر اُسے اِس کی مشق نہ تھی۔ پہلے چند صفحات اُس نے یوں پڑھے جیسے وہ کوئی مبتدی ہو۔ لیکن اُس تحریر نے اعجاز کے ہوش اُڑا دیئے۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جاتا تھا اُس کے پڑھنے کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ آخر دو گھنٹے کے عرصے میں دس بارہ صفحے پڑھ لینے کے بعد وہ ایک لحظے کو رُکا۔ نیند کا ایک ریلا آیا اَور اُس کے بدن سے گزُر گیا۔ وہ پڑھتا رہا۔ پچاس صفحے پڑھ چکنے کے بعد اُس نے گھڑی دیکھی تو دو بجے تھے، مگر اُس کی آنکھیں اُس تحریر سے جدا نہ ہوتی تھیں۔ پڑھتے پڑھتے اچانک اعجاز کے اوپر ایک نامعلوم سا خوف طاری ہو گیا۔ اُس نے مڑ کر چاروں طرف کمرے میں دیکھا، پھر اُٹھ کر دروازے سے سر نکالا اَور تاریک صحن میں باہر کے دروازے تک نظر دوڑائی۔ کوئی بندہ بشر اُسے نظر نہ آیا، صرف صحن کے دُوسرے کونے میں بیٹھی ہُوئی بھینس نے اندھیرے میں سر اُٹھا کر اُسے دیکھا، اَور تین ماہ کا بچھڑا اُچک کر اُٹھ کھڑا ہو گیا۔ ایک لحظے کو اعجاز نے ارادہ کیا کہ جا کر باہر کے دروازے کی کنڈی دیکھے کہ لگی ہے یا نہیں، پھر اُس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور باہر نِکلنے کا اِرادہ ترک کر دیا۔ ایک آخری نظر چوبارے پہ ڈال کر، جس کی چھت کے کنگرے ستاروں بھرے آسمان کے مقابل صاف نظر آ رہے تھے، وہ دروازے سے ہٹ آیا۔ اندر قدم رکھ کر اُس نے دروازے کے پٹ مضبوطی سے بند کر دیئے، گو کنڈی نہ چڑھائی۔ پھر اُس نے جا کر گلی میں کھلنے والی کھڑکی کو بند کر کے چٹخنی چڑھا دی اَور اُوپر روشندانوں پہ نگاہ ڈالی، جو بند تھے۔ جب وہ ہر طرف سے اپنے آپ کو محفوظ پا کر مطمئن ہو چکا تو واپس کرسی پہ آ کر بیٹھ گیا اَور بلا توقف جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا وہاں سے آگے پڑھنے لگا۔ اِس تحریر میں جگہ جگہ قانونی نکتوں کے حوالہ جلت دیئے گئے تھے جو اعجاز کے علم سے باہر تھے، گو بیشتر تحریر کا متن بخوبی اعجاز کی سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔ اپنی محویت میں اعجاز اُن قانونی حوالوں کو بغیر پڑھے چھوڑتا ہوا، باقی عبارت کے ایک ایک لفظ کو اپنی آنکھوں سے گویا پیئے جا رہا تھا۔ مزید ایک گھنٹہ گزُرنے پر جب اعجاز نے رُک کر دیکھا کہ وہ اِس عرصے میں چالیس صفحات پڑھ گیا تھا تو اُسے اپنی رفتار پہ ہلکی سی حیرت ہُوئی۔ مگر اِن باتوں کے لِئے اُس کے پاس وقت نہ تھا۔ وہ اُن سینکڑوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صفحات کو وہیں بیٹھے بیٹھے محض پڑھنا ہی نہیں بلکہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا، گو جانتا تھا کہ یہ کام اُس کی استطاعت سے باہر تھا۔ اِن صفحات کے اِنکشاف در اِنکشاف نے اُسے حیرت زدہ کر رکھا تھا۔

فجر کی اذان ہُوئی، جس کی صدا اعجاز کی سماعت کے کسی زیریں حصے سے اِس طرح گزُر گئی کہ اُس کے شعور سے مس تک نہ ہُوئی۔ جب روشندانوں کے شیشوں سے صبح صادق کا اجالا ابھرا تو اعجاز پر نیند نے غلبہ پالیا۔

سورج نِکلنے کے ساتھ ہی سکینہ کی آنکھ کھلی تو اُس نے چارپائی سے اُتر کر اعجاز کے کمرے کا رُخ کیا۔ دروازہ بند پا کر اُس نے ہولے سے دوبار اُسے دھکا دیا، جس سے اُسے اندازہ ہوا کہ دروازہ دبا کر بند کیا گیا تھا مگر اندر سے چٹخنی نہ چڑھی تھی۔ ''سون بھادوں میں تو دروازے لوہے کے ہونے چاہئیں،'' وہ بڑبڑائی۔ اُس نے دائیں پٹ کے دستے کو پکڑے رکھا اَور بائیں پٹ کو اُوپر، جہاں سے وہ اٹکتا تھا، ایک ہلکا سا دھپ رسید کیا۔ دروازہ یوں آسانی سے کھل گیا جیسے اُس پہ کوئی پکڑ ہی نہ ہو۔ اندر اعجاز کرسی پہ بیٹھا بیٹھا سر میز پہ رکھے سو رہا تھا۔ اُس کا ایک گال کاغذ کے دستے پہ ٹکا تھا اَور دونوں بازو میز پر اُن کاغذات کے گرد یوں حلقہ کئے تھے جیسے اُنہیں قابو میں رکھے ہُوئے ہوں۔ سکینہ دروازے میں کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔ ''تھ تھ تھ'' اُس نے تاسف سے سر ہلایا۔ چند سیکنڈ کے بعد اعجاز نے ایک زور دار خراٹا لیتے ہُوئے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

''تھ تھ تھ،'' سکینہ نے دوبارہ متاسف انداز میں سر ہلایا۔

''ہنہہ،'' اعجاز نے پُوچھا۔ وہ لاعلم نظروں سے سکینہ کو دیکھے جا رہا تھا جیسے اُس کو پتا نہ چل رہا ہو کہ وہ کہاں پر تھا اَور گردوپیش کیا ہو رہا تھا۔

''تمہاری تو مت ماری گئی ہے،'' سکینہ بولی۔ ''نہ اُٹھنے کا ہوش نہ بیٹھنے کا۔''

سکینہ کی بات سے گویا وہ پورے ہوش میں آگیا۔ اُس نے کاغذات کو اُلٹ پلٹ کر اُن کے دو حصے کئے، جن کو وہ پڑھ چکا تھا اُنہیں ایک دراز میں اَور جو باقی تھے اُن کو دوسرے دراز میں رکھا۔

''چلو،'' وہ کرسی چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ناشتہ تیار ہے۔ جا کر کھالو۔ میں اِدھر صفائی کرواتی ہُوں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اونہوں،" اعجاز نے سر ہلا کر منع کیا۔ "کل کروا لینا۔ آج مجھے اِدھر کام کرنا ہے۔"

"صفائی میں کوئی سارا دِن لگتا ہے؟ تمہارے فارغ ہوتے ہوتے صفائی ہو جائے گی۔"

"کل کروا لینا" اعجاز سکینہ کے بازو پہ نرمی سے ہاتھ رکھ کر اُسے اپنے ساتھ کمرے سے باہر لے آیا۔ رفع حاجت اَور غسل سے بھی پہلے جو کام اُس نے کیا وہ گھر کے اندر سے ایک تالا لے کر آنے کا تھا۔ وہ تالا لے جا کر اُس نے اپنے کمرے کے دروازے کو لگایا، ایک دو بار اُسے کھینچ کر تسلی کی اَور چابی جیب میں ڈال لی۔ سکینہ باورچی خانے کی کھڑکی میں کھڑی دیکھ رہی تھی۔

"ہائے ہائے، میں کوئی زبردستی صفائی کرانے لگی تھی؟" وہ بولی۔

اعجاز غسل خانے کو جاتا ہوا سکینہ کی جانب خاموشی سے ہاتھ ہلا کر گزر گیا۔

"اب یہ کاغذ کہاں سے آئے ہیں؟" سکینہ نے پُوچھا۔

"کونسے کاغذ؟" اعجاز بے خیالی سے بولا۔ وہ پیڑھی پہ بیٹھا اچار کے ساتھ پراٹھا کھا رہا تھا۔

"ہائے وہ تجھے کا تھبا جو ساری رات پڑھتے رہے ہو۔"

"ضروری کاغذ ہیں،" اعجاز نے مختصراً کہا۔

"اوہو کیا ضروری ہیں، کوئی رجسٹریاں ہیں، بنک کے ہیں، آڑھتیوں کے ہیں، کیسے کاغذ ہیں؟"

"اِس طرح کے کاغذ نہیں ہیں؟"

"پھر کس طرح کے ہیں؟"

"تیرے مطلب کے نہیں ہیں۔"

"پھر کس کے مطلب کے ہیں؟" سکینہ تنک کر بولی۔

"کسی کے مطلب کے نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہیں؟ تمہارا دماغ چل گیا ہے؟ ساری رات لگا کر پڑھتے رہے ہو اور کسی کے مطلب کے ہی نہیں ہیں؟"

"ایک مقدمے کی کاروائی ہے،" اعجاز نے کہا۔

"تمہارے مقدمے کی ہے؟"

"نہیں۔"

"اپنا مقدمہ تو ہار گئے ہو، اب کوئی اور مقدمہ لے بیٹھے ہو؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟ تمہارا اِس کے ساتھ کوئی مطلب تو نہیں نا؟

"نہیں۔"

"پھر پڑھ کیوں رہے ہو؟"

"معلومات حاصل کرنے کے لئے۔"

"مالومات، مالومات،" سکینہ بولی۔ "مالومات کرتے کرتے تمہاری عمر گزر گئی ہے۔ کیا فائدہ ہوا؟ نہ کچھ حاصل نہ وصول۔ شکر کرو ایک مقدمے سے چھٹکارا ہوا ہے۔ دفعہ کرو اِس قصے کو۔"

"معلومات سے تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ فائدے کی بات ہے،" اعجاز نے کہا۔

"تو مجھے بھی کچھ بتاؤ۔"

"میں نے ابھی تک آدھا بھی نہیں پڑھا، تجھے کیا بتاؤں؟ تُو تو پیچھے ہی پڑ جاتی ہے۔"

"پیچھے کیوں نہ پڑوں؟ مجھے کیا تمہارا پتا نہیں؟ کوئی اور مقدمہ اٹھالو گے اور وہ بھی ہار جاؤ گے۔"

"تیری دعا شامل حال رہی تو ہار ہی جاؤں گا۔"

"خدا کا نام لو۔ میری دعا سے کوئی نہیں ہارتا۔"

"اچھا اب دیکھ، میں پڑھنے جا رہا ہوں۔ مجھے بلانے کے لِئے نہ آنا۔ کھانے کے لِئے آ جاؤں گا۔ اور اگر کوئی دروازے پر آئے تو اُس سے کہنا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے،" سکینہ نے بے دلی سے جواب دیا۔ "میں تو کہتی ہوں نیند پوری کر لو۔ سارا دِن پڑا ہے۔"

"کر لونگا۔ کر لونگا،" اعجاز بے صبری سے بولا، اَور لسی کا گلاس پی کر اپنے کمرے کو چلا گیا۔

رات بھر جاگنے اَور پھر کرسی پر بیٹھے بیٹھے سونے سے اعجاز کی کمر اَور کندھوں میں جو تھوڑا بہت اکڑاؤ پیدا ہو گیا تھا وہ چلنے پھرنے اَور غسل کرنے سے دور ہو چکا تھا، اَور گو وہ ایک گھنٹے سے بھی کم عرصہ سویا تھا، مگر اِس قدر چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا گویا آٹھ گھنٹے نیند کرنے کے بعد اُٹھا ہو۔ اُس کا ذہن مکمّل طور پہ جاگ گیا تھا اور قریب دو سو صفحے کی تمام تر روداد اُس کے دماغ میں رقم تھی۔ وہ کسی مقید جانور کی مانِند اپنے پنجرے سے نِکل کر کمرے کی آزادی میں جانے کے لِئے بیتاب تھا۔ کمرے میں پہنچ کر اُس نے دبا کر دروازہ بند کر دیا۔

دوپہر تک وہ کرسی پہ بیٹھا پڑھتا رہا۔ اُسے کچھ تھکاوٹ محسوس ہُوئی تو کمر سیدھی کرنے کو اُٹھ کر چارپائی پہ جا لیٹا۔ لیٹتے ہی اُس کی آنکھ لگ گئی۔ دس پندرہ منٹ ہی سویا ہو گا کہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ اب اپنے بدن میں اُسے تھوڑی بہت نقاہت کے آثار محسوس ہونے لگے تھے، مگر اُس کے اندر ایسی ہلچل مچی تھی کہ اُسے آرام سے بیٹھنے نہ دیتی تھی۔ کمرے سے نِکل کر اُس نے نلکے پر ہاتھ مُنہ دھویا اَور باورچی خانے میں جا کر کھانا کھایا۔ بھوک کی کمی کی وجہ سے اُس نے چند ہی نوالے لے کر کھانا چھوڑ دیا۔ سکینہ کی باتوں کا ہوں ہاں میں جواب دے کر وہ اپنے کمرے کو لوٹ آیا۔ ایک سو سے کم تعداد میں صفحے پڑھنے کے لِئے رہ گئے تھے اَور فطرت کے ساتھ اعجاز کی جنگ جاری تھی۔

پیٹ میں پڑی خوراک اعصاب پہ نیند کے جھونکے لِئے آ رہی تھی، مگر وہ تھا کہ اُس تحریر میں جٹا تھا۔ ایک دو بار وہ اُٹھ کر چارپائی پہ جا لیٹا، پانچ دس منٹ سویا اَور پھر جاگ اُٹھا، گویا اُن اَن پڑھے اوراق کو ہاتھ لگ گئے ہوں اَور وہ اِشارے کر کر کے اُسے اپنی طرف بلا رہے ہُوں۔ ساتھ ہی ایک اَور آفت بھی اس پہ نازل ہو رہی تھی۔ جوں جوں وہ اُس تحریر کو پڑھتا جاتا تھا، اعجاز کا ذہن بدیع الزمان کی موت کے واقعہ سے دور جانے کی بجائے مزید اُس کے اندر اَور اُس سے متعلقہ واقعات میں اُلجھتا چلا جا رہا تھا۔ ان صفحات کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیان کا اعجاز کے حالیہ واقعات سے براہ راست کوئی تعلق نہ تھا، مگر ایک اندرونی خلفشار تھا جس نے گویا کینچوئے کی مانند اپنی باہیں پھیلا کر ان واقعات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اَور اِن کاغذات پہ پھیلے ہُوئے سینکڑوں کردار اعجاز کی اپنی زندگی کے کرداروں میں مدغم ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اُس کا ذہن دو مستقل سطحوں پہ کام کر رہا تھا۔ ایک سطح پہ اِس مقدمے کے کردار تھے جو اُس مسودے میں بند تھے۔ دُوسرے سطح پر بدیع الزمان، جج محمد حسین تارڑ، خواجہ معراج، حاجی کریم بخش، شیخ سلیم اَور دُوسرے درجنوں لوگ تھے، اَور یہ دونوں "فریق" کسی عجیب و غریب کیمیائی عمل کے تحت ایک دُوسرے میں گڈمڈ ہو گئے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ اُس مسودے کے کرداروں کے چہرے بے شناخت تھے جبکہ اعجاز کے اپنے لوگوں کی شکلیں نہایت واضح طور پہ اُس کے ذہن کی آنکھوں کے سامنے سرگرم عمل تھیں۔ اِس انتشار کے بیچ اعجاز اُس مسودے کو پڑھتا چلا جا رہا تھا اَور اس کے کرداروں کی صورتیں صرف اُن کے ناموں کی مناسبت سے اپنے ذہن میں وضع کرتا جا رہا تھا۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کا نام محمد امین تھا تو اعجاز کے ذہن میں ایک نہایت دیانتدار چہرے والے آدمی کی شکل ابھر کر آتی تھی، اَور اِسی طرح علیٰ ہذا القیاس۔ عصر کے وقت وہ آخری صفحے تک جا پہنچا۔ ختم کرتے کرتے اعجاز کو احساس ہوا کہ اُس نے اِس مسودے کی کاروائی کا ایک چوتھائی حصہ بھی نہیں پڑھا۔ کچھ دیر وہ بیٹھا سوچتا رہا کہ وہ آدمی کون تھا جو یہ تھیلا اُس کے ہاتھ میں پکڑا کر چلا گیا اَور اُس نے اعجاز کو محض اونی پونی رپورٹ ہی کیوں دی تھی، اَور اِس کا بقیہ حصہ کہاں تھا؟ مگر یہ باتیں اضافی تھیں اَور جلد ہی اُس کے خیال سے نِکل گئیں۔ اُس کے ذہن میں اب نہ طیش تھا نہ تلاطم، بس ایک مصمم ارادے کی تیز دھار تھی، اَور ذلالت کا ایک قدیم، انمٹ احساس جسے وہ دانتوں میں پیستا ہوا کمرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔ اب اعجاز کی ساری سیاسی سمجھوتہ بازی اُس کے مزاج سے خارج ہو چکی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نیم اُبلتا ہوا پانی اُچھال مار کے اُس کے دِماغ کے پردوں پہ گرا تھا اَور جلن کی دِھیمی آگ اُسے چین نہ لینے دیتی تھی۔

آخر وہ رُکا اَور میز سے موٹر سائیکل کی چابی اُٹھا کر کمرے سے نِکل آیا۔ کمرے کو تالا لگا کر اُس نے گھر کی جانب دیکھا۔ سکینہ کہیں نظر نہ آئی تو اُس نے موٹر سائیکل کو سٹینڈ پر سے اُتارا۔ اُس کو وہ بڑے دروازے کی دہلیز سے نکال رہا تھا کہ سکینہ کی آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کہاں جا رہے ہو؟"

"ذرا شہر تک جا رہا ہوں۔ ابھی آتا ہوں،" اعجاز نے جواب دیا۔

اعجاز کو علم تھا کہ اخبارات کے دفاتر سہ پہر اور شام کے وقت آباد ہوتے تھے۔ سب سے پہلے اُس نے بدیع الزمان کے سابقہ اخبار روزنامہ "طلوع" کا رُخ کیا۔ چیف ایڈیٹر زیدی کسی سیاسی دعوت میں جا چکا تھا۔ اُس کا ایگزیکٹو ایڈیٹر بدرالحق دفتر میں موجود تھا۔ اعجاز اُسے پہچانتا نہ تھا، مگر وہ اعجاز کو دیکھتے ہی گرمجوشی سے ملا۔

"میرا نام بدرالحق ہے۔"

"میرا نام اعجاز۔۔۔۔"

"ہاں ہاں جناب، آپ کو کون نہیں جانتا،" بدرالحق بات کاٹ کر بولا۔ "آیئے آیئے، تشریف رکھیئے۔"

"معاف کیجئے، آپ کو تکلیف دی،" اعجاز نے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کہا، "میں اصل میں زیدی صاحب سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ بدیع صاحب کے قل پہ اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"میں بھی وہیں پہ تھا جناب،" بدرالحق نے کہا۔ "جب آپ زیدی صاحب سے بات کر رہے تھے تو میں پاس ہی کھڑا تھا۔ پھر آپ کے پاس اور لوگ پہنچ گئے، مجھے اپنا تعارف کرانے کا موقعہ نہیں مل سکا۔ چائے پئیں گے؟"

"جی نہیں، شکریہ۔ مجھے ابھی کچھ اور لوگوں سے جا کر ملنا ہے۔ میں یہ کہنے آیا تھا کہ کل بعد دوپہر "بہ بانگ دہل" کے دفتر میں ہم پریس کو ایک بیان دے رہے ہیں۔ اگر آپ اپنا کوئی آدمی بھیج دیں تو مہربانی ہوگی۔"

"جی ہاں، ضرور، ضرور۔ دراصل ہمیں پہلے ہی آپ کے لیگل ایڈوائیزر کی جانب سے اِطلاع مل چکی ہے،" بدرالحق نے کہا، پھر وہ آگے جھک کر رازدارانہ انداز میں بولا، "افواہ ہے کہ پرچہ بند کرنے کا اعلان ہوگا؟"

"کچھ ایسی ہی بات ہے،" اعجاز نے کہا۔ "لیکن اِس کے علاوہ ایک بہت اہم معاملے کے بارے میں بھی بات ہوگی۔"

"اچھا؟" بدرالحق کی آنکھوں میں ایک پُرانے رپورٹر کی سی چمک پیدا ہوئی، جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلی کو گوشت کی خوشبو آ جائے۔ "کس بارے میں؟"

اعجاز ایک لحظہ توقف سے بولا، "یہ آپ کل پہ ہی چھوڑ دیں تو بہتر ہے۔"

"درست، درست،" بدرالحق نے کہا، مگر پیچھا نہ چھوڑا۔ "نہایت اہم معاملہ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"اُس صورت میں، میں خُود آؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ ایک پیالی چائے پی لیں، اِس دفتر میں چائے ہر وقت تیار ملتی ہے،" بدرالحق ہنسا۔

"جی بہت شکریہ، اب میں اجازت لوں گا۔ مجھے اَور جگہوں پہ بھی جانا ہے۔"

"اگر آپ کہیں تو میں اپنے جاننے والوں کو بھی خبر کر دوں؟"

"کر دیں تو آپ کی نوازش ہوگی،" اعجاز نے کہا، گو اُسے پتا تھا کہ خبر کے سلسلے میں ایک اخبار نویس دُوسرے کو اطلاع نہیں دیا کرتا۔

"اچھا، تو آپ نے کہا کہ نہایت اہم معاملہ ہے؟" بدرالحق نے اصرار جاری رکھا۔

"جی ہاں۔"

"درست، درست۔ میری جانب سے تسلی رکھیں، بہترین رپورٹر لے کر آؤں گا۔ بدیع صاحب نے مجھے اِس اِدارے میں بھرتی کرایا تھا، میرے اُوپر اُن کا بہت احسان ہے، بلکہ میرے اُوپر اُن کا قرض ہے،" وہ دوبارہ آگے جھُک کر سرگوشی میں بولا، "اِز میر کیس میں اُن کو رگڑا دینے کا کوئی لُوپ ہول نِکلا ہے؟"

اعجاز اُٹھ کھڑا ہوا۔ "کل بات ہو گی بدر صاحب۔ آپ کا شکریہ، آپ نے میرے لئے وقت نکالا۔"

"نہیں صاحب، کیا بات کرتے ہیں، آپ کی ذات ہم سب کے لِئے فخر کا باعث ہے۔ آپ کے لئے سارا دِن حاضر ہے۔"

وہاں سے رخصت ہو کر اعجاز "بہ بانگ دُہل" کے دفتر کے نیچے بدیع الزمان کے دوست کی دکان پہ پہنچا۔ وہاں سے اُس نے دو ایک پریس رپورٹروں کو فون کیا جن سے اُس کا رابطہ رہ چکا تھا۔ پھر وہ واپس گھر آگیا۔ رات کا کھانا اُس نے خاموشی سے کھایا۔ سکینہ نے اُس کا مزاج دیکھا تو خُود بھی چپ ہو رہی۔ کھانے کے بعد اعجاز نے نلکے پہ جا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کلی کی اَور مُنہ پہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔ وہاں سے وہ سیدھا اپنے کمرے میں آگیا۔ بتی جلا کر اُس نے دروازہ اندر سے بند کیا۔ کرسی پہ بیٹھ کر وہ اُس بھاری مسودے کے کاغذوں کو اُلٹنے پلٹنے لگا۔ تین چار مختلف جگہوں پہ اُس نے پنسل سے نشان لگائے۔ اس کے بعد ایک دراز کھول کر دو فل سکیپ سادہ کاغذ اَور فاؤنٹین پین نکالا۔ کاغذوں کو میز پر جما کر اُس نے فانٹین پین کھولا تو اُس میں روشنائی ختم ہو چکی تھی۔ اُس نے دوبارہ دراز کھولکر نیلی روشنائی کی شیشی نکالی تو وہ بھی خالی تھی، صرف اِس کے پیندے میں خشک سی تہہ جمی تھی۔ اُسے یاد آیا کہ فاؤنٹین پین استعمال کئے ہوئے اُسے کئی ماہ ہو چکے تھے۔ سارے دراز کھول کر اُس نے آگے پیچھے ہاتھ مارے مگر اُس وقت اُس کو کوئی اَور قلم نہ ملا۔ اُس نے دِل میں اپنے بیٹوں کو کوسا جو اُس کے قلم غائب کر دیا کرتے تھے۔ پنسل جو میز پہ رکھی تھی اُس کا سکہ گھس چکا تھا۔ اعجاز نے جیبی چاقو سے پنسل تراشی تو جو سکہ اندر سے برآمد ہوا وہ ٹوٹا ہوا نِکلا اَور اُس کی اُنگلیوں سے پھسل کر زمین پہ جا گرا۔ اعجاز نے دوبارہ پنسل تراشنی شروع کی۔ سنبھل سنبھل کر، نرمی سے چاقو کو لکڑی پہ چلاتے ہُوئے اعجاز کی ناک میں تازہ تراشی ہُوئی گلابی لکڑی کی تیز چوبی بو چڑھی اَور اُسے یاد آیا کہ کسی پنسل کو تراشے ہوئے بھی اُسے ایک عرصہ ہو چکا تھا۔ کئی برس سے وہ لکھنے کا کام اب بال پوائنٹ سے کیا کرتا تھا جو اِس وقت دستیاب نہیں تھا۔ اعجاز نے پنسل کو ناک کے قریب لا کر اُس کی مانوس بو کو سونگھا اَور کئی مِنٹ تک سونگھتا رہا۔ پِھر اُس نے سکے کی نوک تراشی اور کاغذ سیدھے کر کے، پنسل تھام کر، مسودے کے اندر سے وہ پہلا پیرا نکالا جس پہ اُس نے نشان لگا رکھا تھا۔ اُردو میں ترجمہ کرنے کی خاطر وہ دیر تک اُسے پڑھتا اَور سوچتا رہا، پِھر سادے کاغذ پر آہستہ آہستہ لکھنے لگا۔ آدھی سطر لکھ کر اُس نے دوبارہ اُسے پڑھا اَور پنسل ایک طرف رکھ دی۔ عبارت گو واضح طور پہ پڑھی جا سکتی تھی مگر کسی وجہ سے اعجاز کی تسلی نہ ہُوئی۔ اُسے کچھ ایسا احساس ہوا کہ پنسل کے عارضی اَور مٹ جانے والے الفاظ اِس تحریر کی حرمت کو زک پہنچاتے تھے، کہ جیسے پنسل کی لکھائی اِس عبارت کی توہین کر رہی ہو۔ چند مِنٹ تک سوچنے کے بعد وہ اُٹھا اَور خالی دوات اُٹھا کر صحن مین نِکل گیا۔ نلکے پہ جا کر اُس نے ایک بار اُسے چلایا اَور اوک میں تھوڑا سا پانی بھر لیا۔ پِھر اُس نے ہاتھ دوات کے مُنہ پر رکھ کر اُنگلیاں ڈِھیلی چھوڑیں تو پانی قطرہ قطرہ کر کے دوات میں گرنے لگا۔ دوات کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تہہ میں جمی ہُوئی ٹکڑیاں پانی میں حل ہونے لگیں۔ صحن اندھیرے میں تھا مگر بے چاند کی رات میں ستاروں کی روشنی اِتنی تھی کہ اعجاز دوات کو آسمان کے مقابل اُٹھا کر اُس کے اندر پانی کی سطح کو دیکھ سکتا تھا۔ جب اُس کے اندازے کے مطابق پانی کی مقدار پوری ہو گئی تو اعجاز قمیض کے دامن سے گیلا ہاتھ خشک کر کے دوات کو چھوٹے چھوٹے گول چکروں میں تیزی سے ہلاتا ہوا کمرے میں لوٹ آیا۔ فاؤنٹین پین بھر کر اُس نے پنسل سے لکھی ہُوئی آدھی سطر کو کاٹا اَور نئی سطر لکھنی شروع کر دی۔ لفظ لفظ، سطر سطر کر کے ایک پیرا اُس نے چالیس مِنٹ میں ختم کیا۔ پھر دوبارہ اُسے پڑھ کر دو ایک لفظوں کو دُرست کیا۔ جب اس کی تسلی ہو چکی تو اُس نے تیزی سے ایک تیسری نظر اُس پہ دوڑائی۔ نیلی روشنائی میں اپنے اصلی رنگ کی شوخی اَور گہرائی نہ رہی تھی، مگر اُس کی انمٹ خاصیت نے عبارت میں جو وزن پیدا کیا تھا اُس سے اعجاز کے دِل کو اِطمینان حاصل ہوا۔

مسودے کے کاغذات کو اُتھل پتھل کر اعجاز نے اگلا نشان زدہ پیرا نکالا۔ ترجمہ کرنے کے محاورے پر اب اُسے کچھ نہ کچھ عبور حاصل ہو چکا تھا۔ تاہم اگلے پیرے پر، جو قدرے طویل تھا، اعجاز کو ایک گھنٹے سے اُوپر وقت لگا۔ پھر اُس نے شُروع سے اُسے پڑھ کر کئی جگہ سے دُرست کیا۔ ایک ورق کے دونوں صفحات عبارت سے بھر چکے تھے۔ دوسرا ورق شروع کرنے سے پہلے اعجاز دم لینے کو رُکا۔ چند مِنٹ کے بعد مسودے کے اندر سے تیسرا پیرا نکال کر جب اُس نے نیا صفحہ شُروع کرنے کا ارادہ کیا تو دیر تک فاؤنٹین پین کو ہاتھ میں تھامے بیٹھا رہا۔ پھر اچانک اُس نے سر کو اَیسے انداز میں جنبش دی گویا اپنے آپ سے کہہ رہا ہو، "کافی ہو گیا۔" اُس نے خالی ورق کو واپس دراز میں رکھا، عبارت والے ورق کو دُہرا چوہرا کر کے اپنے بٹوے میں داخل کیا، اَور اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر ساون کے موسم کا حبس لگا تھا۔ سکینہ پہلو پہ لیٹی تھی، اور دونوں لڑکے قمیضیں اُتارے اپنی اپنی چارپائیوں پہ سیدھے پڑے، گہری نیند سو رہے تھے۔ اعجاز نے میز سے مسودہ اکٹھا کر کے اُسے اُس کے تھیلے میں رکھا اَور اُوپر مضبوطی سے گانٹھ دے کر تھیلے کا مُنہ باندھ دیا۔ اُسے لِئے لئے وہ صحن میں آ کھڑا ہوا۔ چند مِنٹ تک سوچتے رہنے کے بعد وہ اُس بوسیدہ سے کمرے میں داخل ہوا جہاں گیہوں کی بوریاں، دالوں اَور چاول کے مٹکے، کپاس کی سوکھی منجھٹی اَور رضائیوں کی پیٹی رکھی تھی۔ بھری ہُوئی بوریوں پر پیر رکھتا ہوا اعجاز لوہے کی پیٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہ جا کھڑا ہوا۔ اُس کا سر چھت کی کڑیوں سے چھو رہا تھا۔ چھت میں اُسے اُس جگہ کا علم تھا جہاں دیمک نے کاٹ کاٹ کر سوراخ کر دیا تھا اَور جس کو بعد میں ابابیلوں نے مزید کھلا کر کے اندر گھر بنا لیا تھا۔ ایک بار اعجاز نے اندر ہاتھ لے جا کر دیکھا تھا تو اُس کا سارا بازو سوراخ میں گھس گیا تھا۔ شام ہوتے ہی ابابیلیں بے پٹ کے دروازے اَور کھڑکی کے رستے اندر باہر اُڑتی پھرتی تھیں۔ اعجاز نے تھیلا سوراخ کے مُنہ پہ رکھ کر ہلایا تو ایک ابابیل ہلکی ہلکی چیخیں مارتی ہُوئی پھڑپھڑا کر نِکلی اَور کمرے سے باہر اُڑ گئی۔ اعجاز نے مسودے کے تھیلے کو مروڑ کر گول کیا اَور سوراخ میں داخل کر دیا۔ پھنسے ہُوئے تھیلے کو اُس نے ہاتھ سے دھکیلنا شُروع کیا تو آخر وہ سارے کا سارا سوراخ کے اندر داخل ہو گیا۔ پیچھے جگہ کھلی تھی۔ ایک آخری دھکے سے تھیلا آسانی کے ساتھ اُس جگہ پہ جا کر بیٹھ گیا۔ ابابیلوں اَور چوہوں کا رستہ روکنے کے لِئے اعجاز نے جھک کر منجھٹی کی چند ٹہنیاں توڑیں اور اُنہیں ہاتھ میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے سوراخ میں دھکیل دیا۔ دُوسری بار مزید منجھٹی توڑ کر سوراخ میں بھرنے کے بعد اعجاز کو اطمینان ہو گیا کہ اَب کوئی چھوٹا بڑا جانور اُس جگہ میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ وہ نیچے اُتر آیا۔ کمرے کے نیم اندھیرے میں اُس نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ باہر سے خالی سوراخ نظر آتا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر اعجاز نے بتی بجھائی اَور دروازہ بند کیا۔ پِھر وہ اپنی چارپائی پہ جا کر لیٹ گیا۔

وہ رات اعجاز نے سوتے جاگتے میں گزاری۔ کبھی گہری نیند میں خراٹے لینے لگتا، کبھی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھتا۔ صبح جب وہ اُٹھا تو اُس کے پٹھوں میں جگہ جگہ درد اُٹھ رہا تھا، جیسے میلوں چل کر آیا ہو۔ مگر نہانے اَور ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو چوکس محسوس کرنے لگا۔ قریب ایک گھنٹے تک گھر میں اِدھر اُدھر پھرنے اَور سکینہ اَور لڑکوں سے باتیں کرنے کے بعد اُسے پِھر نیند محسوس ہونے لگی۔ وہ جا کر چارپائی پہ لیٹ گیا۔ تین گھنٹے تک وہ وہاں پہ گہری نیند سویا رہا۔ جب اُٹھا تو اُس کا ذہن حیرت انگیز طور پر شفاف اَور خاموش تھا، جیسے پت جھڑ کے موسم کی دوپہر ہو۔ دِن کا کھانا کھا کر وہ گھر سے نِکل گیا۔

جب اعجاز "بہ بانگ دہل" کے دفتر میں پہنچا تو سوائے شمس کے وہاں پہ کوئی موجود نہ تھا۔ شمس کو اطلاع ہو چکی تھی اَور وہ دفتر میں صفائی کرا کے، چائے کا سامان تیار کئے بیٹھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اعجاز کرسی پہ جا بیٹھا۔ دفتر کی مخصوص، اخباری کاغذ اور سگریٹ کے دھوئیں کی ملی جلی بو اُس کی ناک میں داخل ہُوئی۔ اِس مانوس بو کو سونگھتے ہُوئے اعجاز نے بدیع الزمان کی غیر موجودگی کو شدت سے محسوس کیا۔ شمس نے اُس کو چائے کی پیالی پیش کی۔ دو بج چکے تھے۔ ایک آدھ بات کرنے کے بعد دونوں آدمی خاموش ہو کر انتظار کرنے لگے۔ ڈھائی بجے خواجہ معراج آ پہنچا جس کے ہمراہ شیخ سلیم تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے تین چار رپورٹر دفتر میں داخل ہُوئے۔ اُنہوں نے خواجہ معراج کو سرہلا کر سلام کیا اور اعجاز سے گہری مانوسیت کے ساتھ ہاتھ ملائے۔ اُن میں سے صرف ایک کو اعجاز شکل سے جانتا تھا، گو نام سے اُس کے بھی وہ واقف نہ تھا۔ اُن سب نے باری باری اعجاز سے مخاطب ہو کر اپنے اپنے اور اخبار کے نام سے تعارف کرایا۔ شمس اُن کے لِئے چائے بنانے لگا تو خواجہ معراج ہاتھ اُٹھا کر بولا،

"ابھی کچھ اور مہمان آنے والے ہیں۔ رُک جاؤ۔" اُس نے جیب سے ایک کاغذ کا پرچہ نکال کر اعجاز کو دیا۔ پھر وہ مُنہ کے آگے ہاتھ رکھ کر سرگوشی میں بات کرنے لگا۔

"یہ مختصر سا مضمون میں نے بنایا ہے، اِسے پڑھ لو۔ بس اِتنا ہی کہنا کافی ہے۔ البتہ تُم کچھ رسمی باتیں اضافی طور پہ کہنا چاہو تو کہہ دینا، مجھے ایسی باتیں نہیں آتیں۔ اِسی لئے یہ ڈیوٹی تُمہیں دے رہا ہُوں۔"

اب مزید لوگ آنے شروع ہو گئے تھے۔ روزنامہ "طلوع" سے ایک شخص بنام افضال احمد آیا، جس نے اپنا تعارف کراتے ہُوئے کہا کہ "ہمارے ایگزیکٹو ایڈیٹر بدر صاحب کو امریکن سفیر کی پریس کانفرنس میں جانا پڑ گیا۔ اُنہوں نے معذرت بھیجی ہے۔ میں اِسسٹنٹ ایڈیٹر ہوں، اُنہوں نے مجھے اور محمد یاسین صاحب کو،" وہ اپنے ساتھی کی جانب اشارہ کر کے بولا، "بھیجا ہے۔"

اعجاز نے دونوں سے مصافحہ کیا۔ لوگ ایک ایک دو دو کر کے آتے جا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کمرہ کھچا کھچ بھر گیا۔ اعجاز کو اندازہ تو تھا کہ اس قصے میں پریس کی غیر معمولی دلچسپی تھی، تاہم اُسے اتنے لوگوں کی آمد کی توقع نہ تھی۔ کرسیاں کم پڑ گئیں۔ کچھ لوگ میز کے کونوں پہ بیٹھ گئے، باقیوں نے فرش پہ بیٹھ کر دیوار سے ٹیک لگا لی۔ اعجاز نے معذرت کی تو سب بولے، "کوئی بات نہیں اعجاز صاحب۔ فکر نہ کریں۔" افضال احمد نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اجازت لے کر سگریٹ سلگا لیا۔ اُس کی دیکھا دیکھی آدھے سے زیادہ لوگوں نے اپنے اپنے، یا دُوسروں سے مانگ کر سگریٹ جلائے۔ کمرہ دھوئیں سے بھر گیا۔ خواجہ معراج نے ہوا میں ہاتھ سے پنکھا ہلاتے ہُوئے شمس کو کھڑکی کھولنے اَور اُسی اِشارے سے چائے پیش کرنے کو کہا۔ پیالیاں صرف آٹھ تھیں، جس جس کو ملیں وہ اُٹھا کر پینے لگا۔ اعجاز نے ایک بار پھر معذرت کی تو کرسی پہ بیٹھا ایک نوجوان چائے کی سرکی لیتے ہوئے بولا

"یہ تو اپنی قسمت کی بات ہے جناب۔"

میز کے کونے پہ بیٹھا ہوا دُوسرا نوجوان بولا، "جی ہاں یہ سب کرسی اَور چائے کا قِصّہ ہی تو ہے جناب۔ اِسی سے قسمتیں بنتی اَور بگڑتی ہیں۔"

سب لوگ ہنس پڑے، سوائے خواجہ معراج کے، جس کے چہرے سے بیتابی کے اثرات ظاہر تھے۔ آخر اُس نے اعجاز کے بازو پہ ہاتھ رکھ کر کاروائی کی اِبتدا کرنے کا اشارہ دیا۔ اعجاز کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"حضرات،" اُس نے کہنا شُروع کیا، "میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ ہم ایک پریس نوٹ بھی جاری کر سکتے تھے، مگر ہم نے فیصلہ کیا کہ آپ لوگوں کو یہاں آنے کی تکلیف دی جائے، کیونکہ جو باتیں میں کہنا چاہتا ہوں اُن کا اِس ملک کے سارے عوام کے ساتھ اخلاقی، سیاسی اَور آپ لوگوں کے ساتھ براہ راست پیشہ ورانہ تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج اِس دفتر میں ہم لوگوں کی موجودگی کے باوجود یہ کمرہ، "بہ بانگ دہل" کی مختصر زندگی کے روحِ رواں برادرم بدیع الزمان کی غیر موجودگی میں قطعی طور پر ایک بے آب و گیاہ ریگستان معلوم ہو رہا ہے۔ کھڑکیاں کھلی ہیں مگر سانس گلے میں اٹکتی ہے، کیونکہ ہماری رگوں میں آکسیجن پہنچانے والا شخص ہم سے رخصت ہو چکا ہے۔ مگر اللہ کے کاموں کے آگے کس کا بس چلتا ہے۔ اِس سے پیشتر کہ میں اُس آدمی کی ودیعت کی ہُوئی شے، یعنی "بہ بانگ دہل" کے بارے میں کچھ عرض کروں، میں آپ لوگوں کی اجازت سے چند باتیں کہنا چاہتا ہُوں۔

"جنابِ عالی، میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ آپ اگر اِس معاشرے کے سب سے زیادہ عقلمند لوگ نہیں ہیں،" اعجاز ایک لحظے کو رُکا۔ سامعین کے درمیان ہلکی ہنسی کی آواز پیدا ہُوئی، "تو کم از کم سب سے زیادہ باخبر لوگ ضرور ہیں۔ چنانچہ آپ کو خبر ہو گی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ربع صدی سے اُوپر کا عرصہ گزر چکا ہے، اَور یہ ملک افواہوں پہ چل رہا ہے۔ ہمارے اخباروں کا یہ حال ہے کہ کبھی کوئی اصل خبر نہیں چھپتی، بلکہ مختلف لوگوں کے اُلٹے سیدھے بیان چھاپ دیئے جاتے ہیں۔ اگر کبھی کبھار کوئی اصل خبر نِکلتی بھی ہے تو اِس کا اجراء نامعلوم یا جعلی ذرائع کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے، اِسی طرح وہ ایک افواہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ افواہوں کی شروعات کہاں سے ہُوئی؟ اُس وقت سے جب یہ ملک وجود میں آیا۔ ہمارے پہلے وزیراعظم کے قتل سے لے کر دو جنگوں، دو مارشل لاؤں، سیاست کی متفرق قلابازیوں سے لے کر تیسری جنگ تک، ہمارے علم میں کچھ نہیں آیا کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا، کس نے کیا کیا، کیا فیصلے ہُوئے اَور کس وجہ سے ہُوئے اور اُن کے نتیجے کے طور پر جو مصیبتیں ہم پہ نازل ہُوئیں ان کا ذمہ دار کون تھا؟ ہمارا یہ ملک تباہ کن ادوار میں سے گزُرا ہے، مگر ظلم خُدا کا کہ ہمیں کچھ بتایا نہیں گیا۔ ہم اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ اِدھر سے ایک افواہ آتی ہے، ہم اُس پہ اعتبار کر لیتے ہیں۔ دُوسری طرف سے افواہ آتی ہے تو ہم پہلی کو چھوڑ کر دُوسری پہ اعتبار کر لیتے ہیں۔ ہمارا ہر کسی پر سے اعتبار اُٹھ گیا ہے۔ سچ کی عدم موجودگی میں ہمارے دماغوں کے اندر سے ایک ایسی دھند چھا چکی ہے کہ ہماری نظر چند قدم تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اُس دھند میں سے ظاہر ہوتا ہوا جو کوئی بھی ہمیں دِکھائی دیتا ہے ہم اُس کے دامن سے لپٹ جاتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ کیا نِکلا ہے؟ اِس کا منطقی نتیجہ یہ رونما پذیر ہوا ہے کہ سارے معاشرے میں عدم تحفظ کا احساس پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے ساتھ اِس طور سے دغے پر دغا ہوا ہے کہ ہمیں کچھ علم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ ہمارے دِلوں میں اندیشوں نے گھر کر لیا ہے کہ کہیں اَیسا نہ ہو جائے، کہیں وَیسا نہ ہو جائے، اَور جو ہو گا وہ ہمارے اختیار سے باہر ہو گا، کیونکہ ہم لاعلم رہیں گے۔ ہم مستقل دغے کی توقع کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب آیئے دیکھیں کہ اِس عدم تحفظ کا کیا نتیجہ سامنے آیا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ نِکلا کہ ہمارے دِلوں کے اِرادے تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہمارے اندر سے ایک قدرتی خواہش پیدا ہو گئی ہے کہ جو کچھ سمیٹا جا سکتا ہے آج ہی سمیٹ لیا جائے۔ یعنی بقول شاعر، کل کی خبر نہیں، اس لِئے سو برس کا سامان آج ہی بنا لیا جائے۔ اِس کے علاوہ عدم تحفظ کا ایک اَور شاخسانہ بھی نِکلا ہے۔ سارے کا سارا معاشرہ اَب ان دیکھے خطرے کے احساس میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اندر کے خطرے کا خدشہ، باہر کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خطرے کا خدشہ۔ اجتماعی خطرے کی جگہ انفرادی خطرے کے شبہات نے جنم لے لیا ہے۔ ہر کوئی اپنے تحفظ کے لِئے دوسرے پر حملہ کرنے کو تیار بیٹھا ہے اَور ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ہر ایک معاملے میں، خواہ وہ گھر کا ہو خواہ باہر کا، خواہ روزمرہ کا ہو خواہ دور از کار ہو، ہر ایک انسانی تعلق کے اندر صبر کا دامن ہاتھ سے چھٹ گیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے نزع کا عالم ہے اَور زندگی کے لِئے ہم سب اپنی اپنی جگہ پر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، مگر کوئی سہارا نہیں ملتا۔ یہ زنجیر ہے اُس زہریلے چکر کی جس کی تفصیل میں نے بیان کی ہے۔ ہم گردش کر رہے ہیں اَور باہر نِکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ کس وجہ سے دِکھائی نہیں دیتا؟ کیونکہ اندر اَور باہر اندھیرا ہے۔ یہ تاریکی کیوں چھائی ہُوئی ہے؟ کیونکہ ہمیں آگہی مہیا نہیں کی گئی۔ اَور یہ وہ جڑ ہے جہاں سے میں نے بات شُروع کی تھی۔ میں نے آپ سے معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ کو کوئی "خبر" مہیا نہیں کی جس کی تلاش میں آپ یہاں تشریف لائے ہیں، بلکہ ایک لمبی چوڑی بات کرکے آپ کی سامع خراشی کی ہے۔"

"نہیں نہیں، اعجاز صاحب، بالکل نہیں،" سامعین سے کئی آوازیں آئیں۔ "کہیئے کہیئے۔ فرمایئے۔"

"یہ لمبی بات میں نے اِس لِئے آپ کے آگے کی ہے کہ آپ اِس کے پاسدار ہیں۔ اَور اگر پاسداری کرنے میں کچھ تکلیفیں آئیں جو آپ کی قوت برداشت سے باہر ہوں تو پھر کم از کم آپ ایک گواہ کی حیثیت سے تو زندہ رہیں گے۔"

"جی بالکل، دُرست فرمایا،" چند آوازیں اُٹھیں۔

"یہ بھی کافی ہے،" اعجاز نے کہا۔

"صرف گواہ کی حیثیت سے کیوں جناب، ہم سب کچھ کریں گے،" ایک منچلا بولا۔

خواجہ معراج کے حلیئے سے اب بے چینی ظاہر ہونے لگی تھی۔ اُس کے دونوں ہاتھ حرکت میں تھے۔ کبھی وہ سامنے میز پر رکھے کاغذات کو اُلٹتا پلٹتا، کبھی جیب سے کوئی پرزہ نکال کر اُسے پڑھتا اَور دوبارہ جیب میں رکھ لیتا۔ پھر چشمہ اُتار کر اُسے منہ کی بھاپ دیتا اَور شیشے صاف کرتا، اُس کے بعد اپنی چائے کی پیالی میں بے وجہ چمچہ ہلانے لگتا۔ وہ بیتابی سے اعجاز کی بات ختم ہونے کے اِنتظار میں تھا اور بار بار اُس کی جانب دیکھتا، اَور پھر کلائی کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھڑی پہ نگاہ ڈالتا جا رہا تھا، جیسے کہ اُس کی دانست میں اعجاز اپنی حدود سے تجاوز کر رہا ہو۔ مگر وہ سامعین کی گہری دلچسپی کے باعث اعجاز کو روکنے سے قاصر تھا۔

"ابھی تک میں نے آگہی کے بارے میں محض زبانی کلامی بات کی ہے،" اعجاز نے بولنا شروع کیا۔

"آگہی شاگہی چھوڑو ملک جی،" سب سے پیچھے زمین پہ بیٹھا ہوا ایک شخص سر اُٹھا کر بولا۔ "سیدھی بات کرو کہ حکومتیں سچی سچی بات بتایا کریں۔"

اعجاز نے ایک لمحے کو رُک کر اُسے دیکھا۔ وہ اُس نوجوان سے واقف تھا، جو نور پور کا رہنے والا تھا اَور ہر پندرہواڑے ایک بڑے سے کاغذ کے شیٹ پر ہاتھ سے لکھ کر اَور پچاس ساٹھ فوٹو کاپیاں بنوا کر، "نور پور گزٹ" کے نام سے تقسیم کیا کرتا تھا، جس میں چھوٹی موٹی مقامی مقدمہ بازیوں، پانی کے تنازعوں، شادی بیاہ اَور فوتیدگیوں اور دیہی حکام کے دَوروں کی خبریں ہوا کرتی تھیں۔ اس کا نام فرخ غوری تھا۔ اُس کی تعلیم شاید میٹرک بھی نہ تھی، جو اُس کی غلط سلط تحریر سے ظاہر ہوتی تھی۔ مگر اُس کے شعور کی سطح اُسکی رسمی تعلیم سے اُونچی تھی۔ ماضی میں ایک آدھ بار اعجاز نے سوچا بھی تھا کہ اگر وہ ٹریڈیونین کے پیشے میں لگا رہتا تو فرخ غوری تنظیم کے کام میں مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ اِس وقت فرخ غوری کی بات سن کر اعجاز کے اندر احساس کی ایک نئی تہہ نمودار ہُوئی---- کہ وہ بات تو عام غریب اَور نادار لوگوں کی قوم کے بارے میں کر رہا تھا، مگر الفاظ مخاطبین کی سطح کے برابر استعمال کرتا جا رہا تھا۔ اِس دُوئی نے اعجاز کے اندر ہلچل سی پیدا کر دی۔ چند لمحوں کے لِئے رُک کر اُس نے دوبارہ بات کرنے کو اپنے خیالات مجتمع کیے۔ "فرخ،" وہ بولا، "تم دُرست کہتے ہو۔ آخر آگہی کا مطلب ایک ہی تو ہے، یعنی سچی بات۔ اب میں تمہیں ایک سچی بات سناتا ہُوں۔ ہمارے ملک پر ایک انتہائی تباہ کن حادثہ گزر چکا ہے۔ مجھے اس کا نام لینے کی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ سب کو اِس کا علم ہے۔ اس کے بارے میں ایک چیف جسٹس کی سربراہی میں اِنکوائیرای ہُوئی تھی جس کی ہزاروں صفحوں پر مشتمل رپورٹ تیار کی گئی ہے۔ مگر ہمیشہ کی طرح اُسے بھی باہر کی ہوا لگنے نہیں دی گئی۔ میں اُس میں سے ایک چھوٹا سا حصہ پڑھ کر آپ کو سنانا چاہتا ہوں، جو مجھے بھی فقط حادثاتی طور پر دستیاب ہوا ہے۔ میں جب آپ کے روبرو اِسے پڑھونگا تو آپ کو خود بخود علم ہو جائے گا کہ یہ کس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

واقعہ کے بارے میں ہے۔"

سامعین میں اچانک آوازوں اور بدنوں کی حرکت پیدا ہوئی۔ کمرے میں بھنبھناہٹ پھیل گئی۔ پھر فوراً ہی یکسر خاموشی چھا گئی اور تمام رپورٹر اپنے قلم روک کر سننے کو تیار بیٹھ گئے۔ خواجہ معراج اب اعجاز کو ایسی نظروں سے ایک تار دیکھے جا رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو، یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اعجاز اُس کی نظروں سے بے خبر، جیب سے ایک فل سکیپ کاغذ نکال کر پڑھنے لگا۔ ابھی اُس نے ایک دو لفظ ہی بولے تھے کہ خواجہ معراج کا صبر جواب دے گیا۔ وہ اُچک کر اپنی کرسی سے اُٹھا اور اعجاز کے ہاتھ سے کاغذ چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ اُس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا جیسے سارا خُون نچڑ گیا ہو۔ اُس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اُس کے مُنہ سے کوئی بات نہ نِکل رہی تھی، صرف اُس کے ہاتھ چل رہے تھے۔ کمرے میں جتنے لوگ تھے سب اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ وہ سب کم و بیش نوجوان رپورٹر تھے، مگر اُن کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ وہ خاموش کھڑے خواجہ معراج اور اعجاز کی ہاتھا پائی کو دیکھ رہے تھے۔ صرف بیچ بیچ میں آوازیں اُٹھ رہی تھیں،

"ارے، ارے، بھئی کیا یہ کیا جناب، بات کریں، چھوڑیں۔۔۔۔"

اعجاز نے پہلے بازو لمبا کر کے اپنا کاغذ خواجہ معراج کی پہنچ سے دور ہٹایا اور اُسے روکنے کی کوشش کی۔ جب وہ نہ رُکا تو اعجاز نے دُوسرے ہاتھ کے ساتھ سختی سے اُسے پرے کیا۔ خواجہ معراج دھپ سے کرسی پہ یوں گرا کہ جیسے قاعدے سے بیٹھ گیا ہو۔ مگر اگلے ہی لمحے میں وہ میکانکی طور پر اُٹھا اور اپنی کاروائی دوبارہ شُروع کرنے ہی والا تھا کہ ناکامی کے امکان کو دیکھ کر رُک گیا۔ اُس نے جھک کر میز سے اپنا کاغذ اُٹھایا اور لرزتی ہُوئی آواز میں بولا،

"آپ صاحبان کو یہ فالتو باتیں سنانے کے لِئے مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ اصل مقصد یہ اعلان کرنا تھا جو میں اب اِس ادارے کے لیگل ایڈوائیزر کی حیثیت سے کرتا ہُوں۔ اور یہ نوٹ کیجئے،" وہ ہوا میں اُنگلی اُٹھا کر بولا، "کہ میں اپنی اِس حیثیت میں ادارے کی جانب سے یہ اعلان کرنے کا مکمل حقدار ہُوں۔" وہ ہاتھ میں پکڑے ہُوئے کاغذ کی تحریر پڑھنے لگا۔ "اِدارہ بنام رحمانیہ پبلی کیشنز اور اس کے زیرِ اہتمام و ملکیت چھپنے والہ ہفت روزہ اخبار